© rasailojaraid.com

عہدِ عتیق و وسطیٰ کا فنِ تعمیر

از

(جناب یوسف کمال صاحب بخاری ایم اے)

(۳)

خاندانِ مغلیہ ۱۵۲۶ء تا ۱۸۵۷ء | صفحۂ تاریخ پر شاہانِ مغلیہ کے کارنامے زریں حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ تمام سلاطینِ دہلی و شاہانِ ہند میں "عہدِ مغلیہ" ایک جداگانہ انفرادی و شخصی حیثیت کا مالک ہے جہاں فرماں روایانِ مغلیہ نے تصویر کشی، خطاطی، موسیقی، ادب و دیگر فنونِ لطیفہ کی مربیانہ خدمات انجام دیں اسی کے دوش بدوش فنِ تعمیر میں بھی نمایاں حصہ لیا حتیٰ کہ چاردانگ عالم میں اپنی فن دوستی کی دھاک بٹھا دی اور اربابِ علم و فن سے اپنے جمالیاتی ذوق کا خراجِ تحسین حاصل کر لیا۔ دراصل جس گرمجوشی و انہماک سے مغل بادشاہوں نے فنِ تعمیر میں حصہ لیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ۱۵۲۶ء میں مغلیہ حکومت کے قیام کے ساتھ ساتھ فنِ تعمیر میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ پہلے پانچ حکمراں بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں نے اس فن کو جادۂ ارتقا پر گامزن کرنے میں مساعیٔ جمیلہ سے کام لیا اور خود بہ نفسِ نفیس دلچسپی کا اظہار کیا لیکن ۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب کی تخت نشینی کے ساتھ ہی فنِ تعمیر میں زوال آگیا جس کا نظارہ آخری دور کی مغلیہ عمارات میں بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

بابر: بانیٔ سلطنت مغلیہ (۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء) علم و فن کا زبردست مربی و دلدادہ تھا وہ خود صاحبِ ذوق اور حسن و جمال کا بطورِ احسن قدرداں تھا لیکن قسمت نے اس کی یاوری نہ کی اور وہ صرف پانچ سال کی قلیل مدت میں فوت ہوگیا۔ اس دوران میں اس نے اپنی زیادہ توجہ تسخیر و فتوحات کی طرف مبذول کر دی اس لئے اس کو اپنی خداداد ذہانت اور قدرتی ذوق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اظہار کا بہت ہی کم وقت نصیب ہوا۔ پھر بھی تزک بابری میں اس نے بہت سے باغات، روشیں، مسجدیں اور کنوئیں (باؤلیاں) بنانے کا ذکر کیا ہے جو امتداد زمانہ کے ہاتھوں تلف ہو گئے صرف ان میں سے چند ہی اب موجود ہیں پانی پت میں کابلی باغ کی بابری مسجد اور جامع مسجد سنبھل ضلع مراد آباد خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ لیکن ان میں کوئی قابل الذکر فنی خصوصیات نہیں پائی جاتیں۔ اس کے بعد اس کے بیٹے ہمایوں (۱۵۳۰ء تا ۱۵۵۶ء) کا عہدِ حکومت بھی تقریباً تعمیری اعتبار سے غیر اہم ہے۔ عہد ہمایوں کی سیاسی بدحالی و مسلسل جنگیں خصوصیت کے ساتھ ہمایوں کا ہندوستان سے ۱۵ سال کے لئے جلاوطن ہونا اور شاہ طہماسپ فرمانروائے ایران کے دربار میں قیام کرنا اس فقدان کے اصلی اسباب ہیں۔ ہمایوں کو اتنا وقت نہ مل سکا کہ وہ فنی نقطۂ نگاہ سے عمارات میں کچھ اضافہ کرتا لیکن شاہ طہماسپ کے دربار میں اس کا ۱۵ سالہ قیام بالآخر مفید ثابت ہوا جب دوبارہ ہندوستان کو اس نے فتح کیا اور ایران سے واپس آیا تو اپنے ساتھ ایرانی تعمیری روایات کو ہمراہ لایا جس کا اولین مظاہرہ ہمایوں کے انتقال کے بعد اسی کے روضہ میں ملتا ہے۔ جسے آئندہ اپنے محل پر بیان کیا جائے گا۔ صرف دو مسجدیں آثار ہمایوں کی نظر آتی ہیں۔ ایک تو فتح آباد ضلع حصار میں ہے جو تقریباً مسمار ہو چکی ہے اور دوسری کچھ پورہ آگرہ میں افتادہ حالت میں موجود ہے۔ چونہ کی استرکاری اور نقش و نگار کے نمونے اس کی اصلی آرائش و زیبائش کا پتہ دیتے ہیں۔ تاہم ان میں کوئی تعمیری خصوصیات نہیں ہیں۔

درحقیقت مغلیہ عہد کا فنِ تعمیر اور اس کی جداگانہ خصوصیات عہد اکبری (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) سے انفرادی حیثیت اختیار کرتی ہیں۔ ہم اس دور کو سہولتِ مطالعہ کے پیش نظر تین دوروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) ابتدائی مغلیہ دور از اکبر (۱۵۵۶ء) تا جہانگیر (۱۶۲۷ء)۔

(۲) دور شاہجہانی (از ۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۸ء)۔

(۳) آخری دور مغلیہ (۱۶۵۸ء تا ۱۸۵۷ء) اس دور کے فنِ تعمیر پر روشنی ڈالنے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبل سلاطین سوریہ کی تعمیری سرگرمیاں اور ان کی خصوصیات بیان کرنا بھی ضروری ہیں یہ زمانہ شیر شاہ سوری ۱۵۴۰ء سے شروع ہو کر اس کے جانشینوں پر ۱۵۵۵ء میں ختم ہو جاتا ہے۔ سوری طرزِ تعمیر مغلیہ عمارات کے لئے نقیبِ راہ ثابت ہوا اور بہت سی خصوصیات مغلوں نے ان ہی سے حاصل کیں۔

سوری طرزِ تعمیر ۱۵۴۰ء تا ۱۵۵۵ء | سوری تعمیرات ابتداءً سنجیدہ، خوش وضع و لطیف ہوتی ہیں لیکن ان کا اختتام آرائش و زیبائش کی کثرت پر ہوتا ہے۔ دہلی میں قلعۂ کہنہ کی مسجد شیر شاہ کی بہترین عمارت خیال کی جاتی ہے جو ۱۵۴۱ء میں اس نے تعمیر کرائی تھی۔ اس کی وسعت صرف ایک قدم (Weala) ہے۔ اس میں ٹیوڈر طرز کے پانچ نوکیلے محرابی دروازے ہیں اور حجرۂ نماز یا نماز خانہ مع محرابوں کے عمدہ نقش و نگار سے مزین ہے۔ چھتریاں یا مورنیاں (Kareellets) اکبری طرز کی ہیں جو اکبر نے قلعۂ آگرہ میں بنوائی تھیں زیرِ گنبد بہت ہی مضبوط معاون گنبد تعمیر ہیں۔ سہسرام ضلع شاہ آباد صوبۂ بہار میں مقبرۂ شیر شاہ فنی نقطۂ نگاہ سے اپنے عہد کا شاہکار تصور کیا جاتا ہے۔ یہ لودی عہد کے ہشت پہل مقبرہ کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے۔ اس کا طرز نہایت سادہ اور زوردار ہے اس کی کرسی کے چہار جانب مثمن چبوترے، اس کا عالی شان مرکزی گنبد۔ اس کے چھوٹے چھوٹے چھتریوں دار کوشک، گنبد کے ارد گرد فنی اعتبار سے نہایت موزوں ہشت پہل کشوک اور سب سے زیادہ اس کی بے مثال فنی تکنیک اس عہد کے تعمیری ذوق و اصول کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس عہد کی مساجد کا جہاں تک تعلق ہے پیشین حصے تغلقوں سے زیادہ آراستہ کتبات کی بہتات اور فنی تکنیک زیادہ حسین و نمایاں ہے۔ مورتی دار ستونوں کا سہارا لئے ہوئے تعمیر شدہ کشوک (Kioalhs) میناروں کے بجائے گوشوں پر نہایت دل کش و حسین معلوم ہوتے ہیں۔ نماز گاہ مع مرکزی گنبد بالائی مستطیل شکل کی ملتی ہے، اور محرابوں کی بہ نسبت قطعاتِ گنبد (Pendentives) میں جزئیات زیادہ نمایاں ہیں۔

دورِ اکبری و جہانگیری ۱۵۵۶ء تا ۱۶۲۷ء | سلاطینِ سوریہ کے بعد ہندوستان پر دوبارہ شاہانِ مغلیہ کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تسلط ہو گیا ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان کو فتح کر لیا وہ خود تو ایک سال بدقت تمام زندہ رہ کر راہی ملک بقا ہو گیا لیکن اس کے بیٹے شہزادہ اکبر نے مغلیہ حکومت کی بنیاد از سر نو رکھی اور حکومت کو استحکام بخشا۔ دوسرے علوم و فنون کی طرح دورِ اکبری میں فنِ تعمیر بھی پروان چڑھا اور ایک نیا انداز اختیار کیا۔ مغلیہ طرز کی پہلی یادگار جسے فنی نقطۂ نگاہ سے ہم ایک ارتقائی صورت کہہ سکتے ہیں مقبرہ ہمایوں ہے جس کی تعمیر کا آغاز حاجی بیگم زوجہ ہمایوں نے ۶۶-۱۵۶۵ء میں کیا یہی روضہ تاج محل کے لئے آئندہ چل کر نمونہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہمایوں جن ایرانی تعمیری روایات و تصورات کو ہندوستان لایا اُس کی نمائش اُس کے روضہ میں ملتی ہے مثلاً مقبرہ کا اس مخصوص طرز کا گنبد سامنے کی جانب نصف گنبدی شکل کا محرابی دروازہ غلام گردش کی اندرونی ترکیب وغیرہ خالص ایرانی طرز کے ہیں۔ مقامی خصوصیات میں حسین کشک اور اُس کی بُرجیاں ہندوستانی وضع کی ہیں گو کہ چھت پر کشوک کی ساخت بہت عمدہ نہیں ہے تاہم اُن کی سطح اور متناسب خلا ر قابلِ تعریف ہیں سنگِ سُرخ و سفید کا امتزاج اور محرابوں کے حسین و جلی دائرے قابل الذکر ہیں گویا روضہ مقامی و ایرانی رنگ کے امتزاج کا کامیاب نتیجہ ہے اسی عہد کا دوسرا مقبرہ تقریباً اسی انداز کا مقبرہ اتگا خان ۶۷-۱۵۶۶ء تعمیر شدہ ہے جو اکبر کا وزیر تھا اور ۱۵۶۲ء میں قتل ہوا۔

اکبر کی تعمیر کردہ عمارات۔ آگرہ۔ الہ آباد فتح پور سیکری میں آج بھی اپنے پورے طمطراق کے ساتھ موجود ہیں اکبر نے اپنی تعمیری پالیسی کے مدنظر مقامی خصوصیات کو بڑھانے اور بار آور ہونے کا موقع دیا اسی حالت میں جب کہ مقامی خصوصیات کسی عمارت کی ساخت میں ناموزوں ثابت ہوتی تھیں تو غیر مقامی رنگ کو استعمال کیا جاتا تھا۔ سنگ سُرخ کا آزادانہ استعمال جا بجا اثر پیدا کرنے کے لئے سنگ مرمر کا جوڑ اُس کی عمارات کی نمایاں خصوصیت ہے طرزِ تعمیر غیر محرابی اور سپاٹ قسم کا ہے لیکن ٹیوڈر محرابوں کے استعمال سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ محرابی و غیر محرابی دونوں طرزِ تعمیر مساوی حیثیت میں نظر آتے ہیں۔ گنبد عموماً سلاطین لودیہ کی طرح کھوکھلے ساق ستون (Pillar shafts) اکثر متعدد ہیں اور تاج ستون CAPITALS

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مورتی نما (Bracketed Form) ملتے ہیں آرائش میں جواہرات میں کھدا ہوا کام جالیوں کا کٹاؤ اور اندرونی ساخت میں دیواروں پر طلائی اور دوسرے رنگوں کی گلکاریاں وغیرہ اس کی نمایاں خصوصیات سے ہیں۔ اکبر کی مشہور و معروف عمارات میں فتح پور سیکری کے رہائشی، سرکاری اور مذہبی تعمیرات لال قلعہ آگرہ اور اُس کی اندرونی عمارتیں قابلِ دید ہیں۔ فنی نقطۂ نظر سے فتح پور سیکری کی تعمیرات ہر حیثیت سے پختہ اور جامع ہیں جامع مسجد معہ مرکزی نماز گاہ۔ وسیع صحن، چوگردی کھمبے اور بلند دروازہ ہندوستان میں لاثانی ہیں، اس کی ساخت دوسری غیر مذہبی عمارات کی بہ نسبت زیادہ محراب نما ہے اِس کے وسیع صحن میں حضرت سلیم چشتی اور اُن کے پوتے اسلام خاں کے مقبرے ہیں حضرت سلیم چشتی کا مقبرہ صناعی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے سنگِ سرخ و سفید کا اختلاط اقلیدسی اشکال کے کمالات اور اس کا چھجہ جو سانپ نما بریکٹ (Serpentine bracket) کے سہارے قائم ہے فنی اعتبار سے بہت اعلیٰ ہیں اس قسم کے بریکٹ گجرات کے مندروں میں ملتے ہیں جودہ بائی کے محل کا فنِ تعمیر مغربی ہند کے مندروں کے طرز کا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ معمار و صناع گجرات سے آئے تھے غرضیکہ دیوان خاص بیربل اور ترکی سلطانہ کے محلات وغیرہ قابلِ دید ہیں اکبر کا لال قلعہ آگرہ تعمیر شدہ ۱۵۶۵ء تا ۱۵۷۳ء بھی اکبری عہد کا بہترین نمونہ اور شاہکار سمجھا جاتا ہے اکبر نے اپنی قابلیت و ذہانت کا اِس میں مظاہرہ کیا ہے اور فنِ تعمیر میں ایک نئے دور کا آغاز کیا ہے محض فوجی طرز کی ساخت ہی نہیں بلکہ کنگورے دار دیواریں ڈھلواں دیواریں (machicolations) روزن سازی دیوار کے چاروں طرف اُبھرے ہوئے حاشیے وغیرہ کی تعمیر سے اُس کے معماروں اور صناعوں کے جمالیاتی ذوق کا پتہ چلتا ہے۔

جہانگیر۔ ۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء کا دورِ حکومت بھی فنونِ لطیفہ کے پھلنے پھولنے کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ خصوصاً تصویر کشی کے فن میں جہانگیر کے عہد میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے لیکن فنِ تعمیر میں تقریباً یہ عہد غیر اہم نظر آتا ہے جہانگیر کا طرز و انداز قریب قریب وہی رہا جو اکبری دور کا طرۂ امتیاز تھا بجز اس کے کہ اول الذکر کا طرز موخر الذکر کی پائدار عمارات کے مقابلہ میں حسن نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نزاکت کی طرف زیادہ مائل تھا۔ نیز بدھ و جین طرزِ تعمیر کے ساتھ ساتھ عربی و ایرانی طرز بھی نظر آتا ہے جہانگیری دور کی عمارات کی آرائشوں میں صراحی اور پیالہ کا عام طور سے استعمال کیا گیا ہے جہانگیری تعمیرات آگرہ، لاہور، کشمیر میں اب تک موجود ہیں ان میں اکبر کا روضہ سکندرہ قلعہ آگرہ کا جہانگیری محل مقبرہ اعتماد الدولہ واقع آگرہ زیادہ مشہور ہیں یوں تو اُس نے چند باغات بھی بنوائے لیکن وہ ہمارے موضوع سے باہر ہیں جہاں تک اکبر کے سہ منزلہ مقبرہ واقع سکندرہ کا تعلق ہے جو ۱۶۱۳ء میں تعمیر ہوا اُس میں وہی اکبری عہد کی خصوصیات ملتی ہیں۔ لیکن گنبذ کی ساخت روایتی تعمیر سے جداگانہ ہے جس کا تصور بدھ وہار سے ماخوذ ہے دوسرے اُس کے مینار بھی ایک نئی وضع کے ہیں جو اس وقت تک شمالی ہندوستان میں رائج نہ ہوئے تھے۔

دوسری اہم عمارت مقبرۂ اعتماد الدولہ ہے جہانگیر کی ملکہ نے اپنے والد مرزا غیاث کا مقبرہ ۲۸-۱۶۲۷ء میں تعمیر کرایا تھا اس میں ایرانی طرزِ تعمیر و فنی خصوصیات بہت نمایاں ہیں بلکہ بالفاظ دیگر فنی کمال کے لحاظ سے شاہجہانی عمارتوں اور اکبری تعمیرات کے درمیان سلسلہ کی ایک کڑی کی حیثیت رکھتا ہے روضہ ایک مربع چبوترہ پر بنا ہوا ہے چبوترہ سے عمارت کی چوٹی تک خالص سنگِ مرمر لگا ہوا ہے جس میں مختلف رنگوں کے بیش قیمت پتھروں کی پچیکاری بے نظیر منبت کاری ملتی ہے خصوصاً محرابوں کے اندر کی منبت کاری نہایت باریک و رقابلِ دید ہے، دیواروں پر صُراحی، جام اور پیالی کی تصویر کھنچی ملتی ہے کل عمارت میں ۳ فٹ ۸ انچہ بلندی تک سنگِ مرمر لگا ہے باقی میں چونہ کاری ہے جس پر ایسی گھٹائی کی گئی ہے کہ سنگِ مرمر اُس کے سامنے ہیچ معلوم ہوتا ہے سنگ مرمر میں سنگ موسیٰ سنگ کھٹو سنگ لہسنیہ وغیرہ کئی قسم کے قیمتی پتھروں کی پچیکاری و منبت کاری، نفیس و باریک نقاشی اور گُل کاری کی گئی ہے دراصل دور اکبری تک ہم کو ایک خاص قسم کی موٹی پچیکاری کے (opus sectile) نمونے ملتے ہیں لیکن اس روضہ میں پہلی بار ہمیں نازک پچیکاری (Pietra dura) کا نفیس کام ملتا ہے جو تاج محل میں اپنے معراج کمال تک پہنچ جاتا ہے اِس کام میں پھول پتیوں کی نفیس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ریشے تک نمایاں نظر آتے ہیں۔

فنِ تعمیر کا معراجِ کمال دورِ شاہجہانی دور از ۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۸ء

شاہجہاں کے قیامِ حکومت کے ساتھ ہی ایک نیا طرزِ تعمیر اپنی دیدہ زیبی، لطافت اور نزاکت کے ساتھ وجود میں آتا ہے اکبر کی طرح شاہجہاں نے بکثرت مذہبی غیر مذہبی قسم کی عمارات آگرہ، دہلی، لاہور، سری نگر۔ اور اجمیر وغیرہ میں تعمیر کرائیں لیکن دونوں کے طرز میں ایک بیّن اور نمایاں فرق جھلکتا نظر آتا ہے اکبر کی عمارتوں میں مضبوطی۔ خوشنمائی سُرخ پتھر کا بکثرت استعمال اور اپنایا ہوا ہندی طرزِ تعمیر، آرائش میں اشکال اقلیدسی کی نمائش واضح طور پر ملتی ہے بڑی محرابوں۔ گنبدوں۔ میناروں، نصف گنبدی شکل کے عالی شان دروازوں کی تعمیر کے طریقے آرائش وزیبائش کے سلسلہ میں پلاسٹر پر خوب صورت نقش ونگار اور پتھر پر دل آویز پچکاری پر چیں کاری، منبت کاری، زرکاری و دیدہ زیب رنگ آمیزی، نفیس و بے نظیر پھول پتیوں کی زیبائش جالیوں میں اشکال ہندسی کی موزونیت کتبات میں خطاطی کے کمالات اور حسن و نزاکت تناسب و جاذبیت کے علاوہ سنگ مرمر کا آزادانہ استعمال اور ایرانی فنِ تعمیر کا غلبہ شاہجہانی عہد کی اہم خصوصیات ہیں پیالہ دار و مرغولہ دار محرابیں بلند گردن کے گنبد جو نیچے سے قدرے مُڑے ہوئے کئی پہل کے ستون جو دیکھنے میں نازک اور برتنے میں کافی مضبوط پھول پتیوں سے مزین سطح مرغول دار تاج ستون (Capitals) اور بیضاوی وضع کے ایرانی گنبدوں کو تعمیری دنیا میں رائج کرنے کا سہرا شاہ جہاں کے سر ہے شاہ جہاں کی بہترین عمارات میں موتی مسجد لال قلعہ آگرہ، تاج محل آگرہ، جامع مسجد ولال قلعہ دہلی کا شمار ہے ان میں تاج محل فنی اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

تاج محل۔ شاہ جہاں کی محبوبہ بیوی ممتاز محل کا مقبرہ (ساختہ ۱۶۳۱ء تا ۱۶۵۳ء ہے) اس کا نقشہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں کے مقبرہ واقع دہلی سے ماخوذ ہے کیوں کہ بہت سی خصوصیات دونوں میں مشترک و مشابہ ہیں خصوصیت سے اس کی اندرونی ساخت بہت ملتی جلتی ہے بحیثیت مجموعی اس کی دیدہ زیبی نزاکت و نفاست اور اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام تناسب و توازن اس کی جان ہیں اس کے حسین و سُبک گنبد دو قسم کے ہیں درمیانی بڑا گنبد جس کی گردن بلند ہے اور جس کے نیچے کا حصہ قدرے اندر کی طرف مُڑا ہوا ہے ایرانی وضع کا ہے اور چھوٹے دائیں بائیں گنبد جن کا نیچے کا حصہ مُڑا ہوا نہیں ہے ہندوستانی طرز کے ہیں

لال قلعہ آگرہ کی موتی مسجد شاہ جہاں کی بنوائی ہوئی ہے ۱۶۴۸ء تا ۱۶۵۵ء یہ شاہ جہاں کی بہترین عمارات میں سے ایک ہے بلکہ چند خصوصیات میں مثال کے طور پر صفائی، سادگی اور نزاکت میں ہندوستان میں لاثانی ہے گو اس کی کرسی کافی اونچی اور بلند ہے لیکن باہر سے اس کا نظارہ اتنا دل فریب نہیں ہے جتنا جامع مسجد دہلی کا تاہم ہر شخص اس کے اندر داخل ہوتے ہی اپنے مذاق کے مطابق اس کی گنبدی مسقف، مصلے گاہ چاروں طرف سنگِ مرمر کے ستون اور وسیع سنگ مرمر کے صحن سے لطف و انبساط حاصل کرتا ہے مسجد کی محرابیں سنگِ مرمر کی ہیں - دروں میں سنگِ مرمر کی نہایت نفیس و باریک جالیاں - ستون اور مرغولہ دار محرابیں بہت ہی حسین اور سبک ہیں - فرش میں سنگِ موسیٰ کی پچیکاری خوشنما مصلوں کی تو قطاریں - چھت پر تین گنبد اور چاروں گوشوں پر ایک ایک مثمن برج بیضاوی گنبدوں اور تمام برج و برجیوں پر سنہرے کلس وغیرہ نہایت دلکش و پُر نظارہ ہیں ۱۶۴۸ء میں شاہ جہاں نے اپنا دار الحکومت آگرہ سے دہلی منتقل کیا جہاں اُس نے ایک نیا شہر بسایا جو شاہ جہاں آباد کے نام سے موسوم ہے اس نئے دار الحکومت میں اس نے ایک خوبصورت محل موسوم بہ لال قلعہ اور حسین جامع مسجد تعمیر کی - لال قلعہ کی تمام عمارات میں دیوانِ خاص خصوصیت سے بہت زیادہ منقش، آراستہ، مزین و مرصع نظر آتا ہے دیوانِ خاص لال قلعہ آگرہ کے مقابلہ میں زیادہ وسیع پُر زینت و پُر بہار ہے مرغولہ دار محرابیں جو سنگِ مرمر کے مربع چھوٹے ستونوں کے سہارے قائم ہیں اس کو پندرہ حصوں میں تقسیم کرتی ہیں ستونوں میں سنگِ موسیٰ کی پچیکاری، لطیف و نازک جالیاں، حسین مہذب و اخضر کئی پہل محرابیں اس کے معماروں کے عمدہ ذوق کی طرف اشارہ کرتی ہیں -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جامع مسجد دہلی ۱۶۵۶ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس کی کرسی کافی بلند اور اونچی ہے دہلی کے ہر بالائی حصے سے جامع مسجد کے حسین و سبک گنبد اور اس کے گاؤدم مینارے مع احمرین دیوار کے دیدہ زیب معلوم ہوتے ہیں یہ جامع مسجد آگرہ کی جامع مسجد سے جسے شاہ جہاں کی سب سے بڑی بیٹی جہاں آرا نے ۱۶۴۸ء میں تعمیر کرایا تھا زیادہ وسیع اور جاذبِ توجہ ہے اس کی نمایاں خصوصیات میں سنگِ سرخ میں سیاہ دھاریاں۔ سنگِ سرخ و مرمر کے امتزاج کا دل فریب منظر۔ صحن کی وسعت۔ مضبوط مرغولہ دار محرابوں کے ستون، طویل گاؤدم مینارے۔ بیضادی گنبد اور متناسب و موزوں زیبائش و آرائش ناظرین کے ذہن پر گہرا اثر و نقش قائم کر دیتے ہیں۔

آخری مغلیہ دور ۱۶۵۷ء تا ۱۸۵۷ء اورنگ زیب کی تخت نشینی ۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء کے ساتھ ہی فن تعمیر زوال پذیر ہو چلا تھا جو اس کے باپ شاہجہاں کے عہد میں انتہا نے کمال پر پہنچ گیا تھا محض سیاسی اسباب کی بنا پر ہی نہیں بلکہ اورنگ زیب کی اس فن سے بے اعتنائی بھی اس زوال کا ایک سبب بنی یہ زوال اس عہد کی عمارات کا بغائر تدریجی مطالعہ کرنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر روضۂ رابعہ دورانی ملکۂ اورنگ زیب کو لیجئے۔ یہ ۱۶۷۸ء میں اورنگ آباد دکن میں تعمیر ہوا اس میں تعمیری عیوب نمایاں ہیں۔ حالاں کہ اس کو تاج محل کے انداز پر بنانے کی کوشش کی گئی لیکن تاج کے مقابلہ میں نہایت سخت اور بے جان معلوم ہوتا ہے لاہور کی بادشاہی مسجد تعمیر شدہ ۱۶۷۴ء ضرور شاہجہانی دور کی کچھ خصوصیات رکھتی ہے لیکن وہ مضبوطی اور تناسب عمدہ سطح روشنی اور اس کے عکس کا تضاد جو شاہجہانی عمارات کی نمایاں خصوصیات تھیں اس میں نظر نہیں آتیں لال قلعہ دہلی کی موتی مسجد کا جسے اورنگ زیب نے بنوایا تھا۔ اندرونی حصہ بہت نفیس اور آرائش و زینت سے پر ہے لیکن مجموعی اعتبار سے اس کی تینوں (cupolas) برجیاں بہت گھوما ؤ دار ہیں اور کلس جو گنبدوں کا تاج ہیں غیر متناسب دکھائی دیتے ہیں حتیٰ کہ ۱۷۰۷ء اور ۱۸۵۷ء کے درمیان تعمیر شدہ عمارات میں مقبرہ و مسجد صفدر جنگ نئی دہلی۔ فرخ سیر کی مسجد مہرولی وغیرہ ان خصوصیات سے معرا ہیں جو کبھی شاہجہانی آثار کا طرۂ امتیاز تھیں۔

© rasailojaraid.com